

188438

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 905510 - Accession No. 13500

Author محمد علی خان - ۲ - ۱

Title دینی

This book should be returned on or before the date last marked below.

دہلی

از

محمود علی خاں (جامعی)

مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ - بمبئی

مطبوعہ حیدر برقی پریس دہلی

قیمت ۴

۱۹۴۰ء

طبع دوم ۱۰۰۰

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	باب
۵	دہلی کے آٹھ شہر	پہلا باب
۱۱	دہلی کے بادشاہ	دوسرا باب
۱۵	جامع مسجد	تیسرا باب
۲۰	لال قلعہ	چوتھا باب
۳۲	قطب مینار	پانچواں باب
۳۹	ہمایوں کا مقبرہ	چھٹا باب
۴۴	درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ	ساتواں باب
۵۲	دو پہاڑے قلعے	بھٹواں باب
۵۶	نئی دہلی	نواں باب

فہرست تصاویر

تقابل صفحہ	تصویر	نمبر شمار
۱۰	دہلی کے آٹھ شہروں کا نقشہ	۱
۱۵	جامع مسجد	۲
۲۰	لال قلعہ (باہر سے)	۳
۲۹	لال قلعہ کا دیوان خاص	۴
۳۳	لال قلعہ کا نقشہ	۵
۳۴	قطب مینار	۶
۳۹	ہمایوں کا مقبرہ	۷
۵۷	اسمبلی چیمبر	۸

دہلی کے آٹھ شہر

آج ہم بہت سی مزے دار باتیں تمہیں سناتے ہیں۔ ان سے تمہیں تاریخی قصے بھی معلوم ہوں گے اور گھڑ بیٹھے دہلی کی سیر بھی ہو جائے گی۔ تاریخ کسے کہتے ہیں؟ سنو ایک تو مہینے میں جو تیس دن ہوتے ہیں انہیں تاریخ کہتے ہیں، دوسرے ان باتوں کو بھی تاریخ کہتے ہیں کہ کسی ملک میں پہلے زمانے میں کون کون سے بڑے لوگ گزرے اور انہوں نے کیا کیا کام کئے۔ اس کتاب میں ہم تمہیں ایسی ہی تاریخی باتیں بتائیں گے اور دہلی کی سیر بھی کرائیں گے۔

ہماری ملک ہندوستان کے بہت سے بادشاہ دہلی ہی میں رہا کرتے تھے۔ یہاں انہوں نے اپنے رہنے کے لئے اچھے اچھے محل، قلعے، مندر اور

مسجدیں بنوائی تھیں سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر عمارتیں آج بھی ویسی کی ویسی موجود ہیں اور دور دور سے لوگ انھیں دیکھنے آتے ہیں۔ انھیں بھی ان کے دیکھنے یا کم سے کم ان کے حالات سننے کا شوق ہوگا۔ اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ ان مشہور عمارتوں اور ان کے بنانے والوں کا حال لکھیں یقین ہے کہ تم اسے بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھو گے۔

لیکن پہلے ہم کسی عمارت کے بارے میں کچھ نہ لکھیں گے بلکہ دہلی کے آٹھ شہروں کا حال لکھیں گے جن میں یہ سب عمارتیں واقع ہیں۔ تم کہو گے یہ آٹھ شہر کیسے؟ ہم نے تو ایک دہلی شہر کا نام سنا ہے۔ تمہارا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ دہلی کا شہر بہت ہی پرانا ہے۔ کتنے ہی دفعہ اجڑا پھر بسا۔ برباد ہوا پھر آباد ہوا۔ جس بادشاہ نے جس جگہ اپنا محل اور قلعہ وغیرہ بنایا وہیں ایک دہلی بس گئی۔ اس طرح بیسیوں شہر بسے اور اجڑ گئے ان میں سب سے زیادہ مشہور شہر آٹھ ہیں اور ان ہی کا تھوڑا تھوڑا حال ہم لکھتے ہیں۔

یہ دہلی کا سب سے پرانا شہر ہے۔ اس کتاب میں ایک اندر پرست

نقشہ بھی ہے اس میں دیکھو ہماری آج کل کی دہلی سے قلب مینار کو جو ٹرک جاتی ہے قریب قریب اس کے آدھے راستے پر یہ شہر

آباد تھا۔ اب سے کوئی تین، ساڑھے تین ہزار برس پہلے ہندوؤں میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی تھی اسے ”مہا بھارت“ کہتے ہیں۔ یہ شہر اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اب یہاں کھنڈروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔

پُرانی دلی | ٹھیک جہاں قطب مینار ہے یہیں پُرانی دلی تھی۔ کہتے ہیں کہ کوئی راجہ دیو گڈرے ہیں انھوں نے اسے آباد کیا تھا اس

کے بعد ہندوستان کے مشہور راجہ بکرماجیت نے اسے فتح کیا۔ پھر اٹھ سو برس تک دلی گننامی میں پڑی رہی اور کسی کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔ اس کے بعد راجپوتوں نے اسے فتح کیا ان میں سب سے مشہور راجہ پرمتی راج گذرا ہے۔ رائے پتھو راجھی اسی کو کہتے ہیں۔ پرمتی راج سے مسلمانوں نے دلی فتح کی شروع زمانے کے جتنے مسلمان بادشاہ گذرے ہیں سب یہیں

رہتے تھے ان میں سب سے مشہور قطب الدین ایبک اور سلطان آتش ہوئے ہیں۔ سلطان آتش ہی نے قطب مینار بنوایا۔ یہاں پر اب ایک تھوڑی سی آبادی رہ گئی ہے اور شہر ویران ہو گیا۔

سیری | قطب مینار سے ذرا اسی طرف سیری شہر ہے۔ اسے غلام الدین خلجی بادشاہ نے آباد کیا تھا لیکن اس بادشاہ کے بعد شہر

بالکل برباد ہو گیا۔

او کھلے کا نام تو شاید تم نے سنا ہو۔ ہماری جامعہ کی نئی عمارتیں
تغلق آباد یہیں بن رہی ہیں اسی او کھلے سے تھوڑا آگے بڑھ کر

تغلق آباد شہر تھا۔ اسے غیاث الدین تغلق بادشاہ نے بسایا تھا یہ شہر
بھی برباد ہو گیا۔ لیکن اس کے کھنڈر موجود ہیں

یہ شہر قریب قریب اسی جگہ آباد تھا جہاں آج کل ہماری
فیروز آباد دہلی ہے۔ اسے فیروز تغلق بادشاہ نے آباد کیا تھا اور

ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو فیروز شاہ کے کوٹے کے نام سے اب بھی موجود
ہے۔ لیکن اصل شہر تباہ ہو چکا ہے۔

سب سے پرانے شہر اندر پرست اور ہماری آج کل
دلی شیر شاہ کی دہلی کے درمیان یہ شہر آباد ہوا تھا۔ اسے شیر شاہ

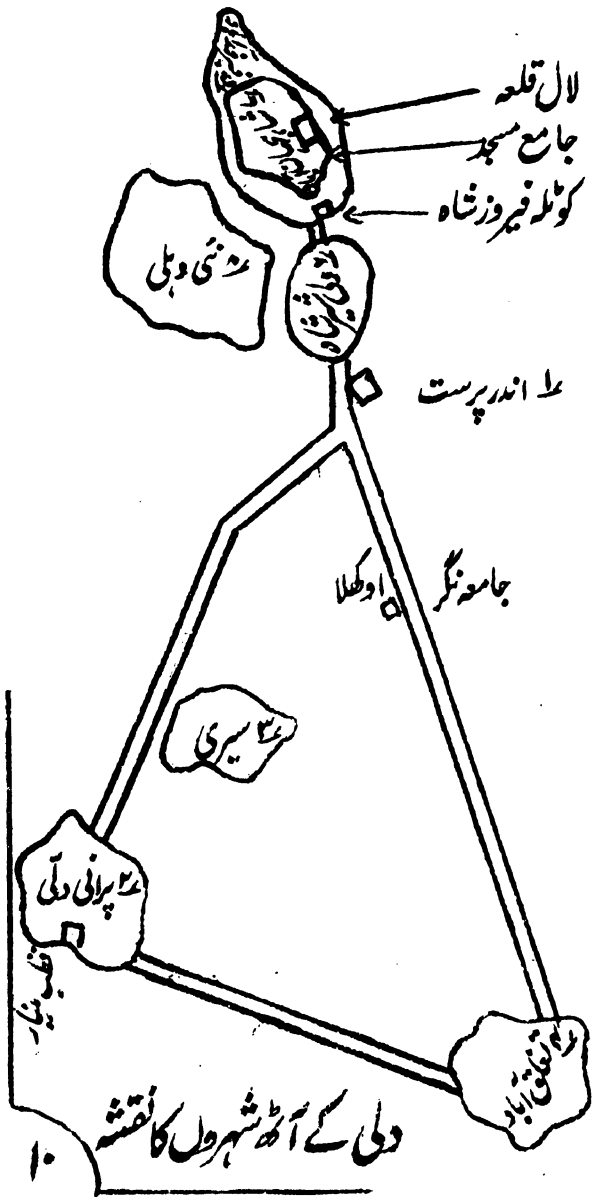
نے بسایا تھا، اب یہ بھی بالکل برباد ہو گیا ہے۔

یہ ہماری آج کل کی دہلی ہے۔ اسے مغلوں کے
شاہ جہان آباد مشہور بادشاہ شاہ جہاں نے بسایا تھا اور یہ خدا

کے فضل سے اب تک آباد ہے۔ یہی وہ شہر ہے جو ساری دنیا میں مشہور

ہے۔ لال قلعہ اور جامع مسجد بھی اسی دہلی میں ہیں۔ ان کا حال ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

یہ سب تو دہلی کے سات مشہور شہر ہو گئے مگر اب یہاں **نئی دہلی** ایک آٹھواں شہر بھی آباد ہو رہا ہے۔ یہ نئی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ اسے انگریزوں نے آباد کیا ہے۔ لیکن یہاں وائسرائے اور ان کے سب دفتر صرف چھ مہینے رہتے ہیں اور گرمیوں میں شملہ چلے جاتے ہیں اس لئے جب وائسرائے یہاں ہوتے ہیں تو خوب چہل پہل رہتی ہے اور گرمیوں میں بالکل سنان ہو جاتا ہے۔



دہلی کے آٹھ شہروں کا نقشہ

دہلی کے بادشاہ

اب ہم دہلی کے بادشاہوں کا سلسلہ وار حال بتائیں گے تاکہ جب ہم عمارتوں اور عمارتوں کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں تو یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو کہ یہ بادشاہ کب گزرے تھے۔ ان سے پہلے کون کون بادشاہ ہوئے اور ان کے بعد کون کون ہوئے۔ اسی خیال سے اس مرتبہ ہم دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھتے ہیں۔ عمارتوں کا حال اگلے باب سے شروع کریں گے۔

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کے زیادہ تر بادشاہ دہلی میں رہتے تھے، اب سے کوئی ساڑھے سات سو برس پہلے افغانستان کے ایک بادشاہ محمد غوری نے دہلی پر حملہ کیا اور یہاں کے راجہ پر پھوسی راج سے اسے جیت کر اپنے ایک ترکی غلام قطب الدین ایبک کو یہاں کا بادشاہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ نے قطب مینار کی بنیاد ڈالی قطب الدین سے

لے کر ۸۵ برس تک جو بادشاہ گزرے وہ غلام خاندان کے بادشاہ کہلاتے ہیں ان میں سلطان التمش اور رضیہ سلطانہ زیادہ مشہور ہیں سلطان التمش نے غلبت بنیار کو پورا کیا تھا۔

غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان کی حکومت ہوئی۔ اس خاندان نے کوئی تیس برس حکومت کی ہوگی۔ اس کا سب سے مشہور بادشاہ علاؤ الدین خلجی گزرا ہے۔

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان شروع ہوا۔ انھوں نے بھی ۸۵ برس تک حکومت کی۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق تھے۔ فیروز شاہ نے ایک قلعہ بنوایا تھا جو فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔

تغلق خاندان کے بعد سیدوں کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے کوئی ۳۸ برس بادشاہت کی، ان میں کوئی مشہور بادشاہ نہیں ہوا۔ سیدوں کے بعد لودھیوں کی حکومت شروع ہوئی۔ لودھی خاندان نے ۶۵ برس تک سلطنت کی۔ ان کا آخری بادشاہ ابراہیم لودھی تھا اور اسی مغل بادشاہ بابر نے وہاں فتح کی۔

اس طرح پٹھانوں کے پانچ خاندانوں نے کوئی سو تین سو برس
یہاں حکومت کی، اس کے بعد مغلوں کی بادشاہت شروع ہو گئی۔

بابر نے صرف چار پانچ سال حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے
ہمایوں تخت پر بیٹھے۔ ہمایوں کا مقبرہ دہلی کی مشہور عمارتوں میں ہے۔
ہمایوں نے ابھی کوئی دس برس ہی حکومت کی تھی کہ ایک پٹھان بادشاہ
شیر شاہ سوری نے ان سے تخت چھین لیا، لیکن شیر شاہ اور اس کا خاندان
پندرہ برس سے زیادہ حکومت نہ کر سکے اور ہمایوں بادشاہ نے اپنی سلطنت
پھر واپس لے لی مگر ایک سال بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور ان کے
بیٹے اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ اکبر کی عمارتیں زیادہ تراگرے میں ہیں۔
فتح پور سیکری کی عمارتیں اور آگرے کا قلعہ انھیں کا بنایا ہوا ہے۔

اکبر نے کوئی پچاس برس حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے

جہانگیر بادشاہ ہوئے نور جہاں ان ہی کی مشہور ملکہ تھیں۔ انھوں نے
کوئی ۲۳ برس حکومت کی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ جہاں تخت پر
بیٹھے۔ عمارتوں کے معاملے میں یہ سب سے مشہور گذرے ہیں۔ آگرہ کا تاج
محل اور دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے۔

شاہ جہاں ۳۲ برس تک بادشاہ رہے۔ اس کے بعد اوزنگ زیب عالمگیر کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے بھی پچاس سال کے قریب بادشاہت کی۔ ان کے بعد کوئی ڈیڑھ سو برس تک ان کے خاندان میں حکومت رہی اور ندر کے بعد سے وہی انگریزوں کے قبضہ میں آگئی۔ گویا منگلوں نے بھی کوئی سو آئین سو برس حکومت کی۔

امید ہے کہ اب عمارتوں کا حال بیان کرتے ہوئے جب ہم ان کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں گے تو تمہیں یہ سمجھنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ بادشاہ کون تھے اور کس زمانے میں تھے۔

جامع مسجد

دہلی کی جامع مسجد ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔ دور دور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے ہیں اور پرانے زمانے کے لوگوں کی کاریگری دیکھ کر ذنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ مسجد بہت بڑی اور بہت لمبی چوڑی ہے۔ لیکن اگر ذرا دور سے کھڑے ہو کر دیکھو تو مسجد کا اصل دالان اس کے مینار، اس کے گنبد، اس کے پھاٹک سب کا کچھ ایسا جوڑ ملا ہوا ہے کہ ساری مسجد ایک خوب صورت کھلونا سا معلوم ہوتی ہے۔

مغل بادشاہوں میں اکبر کا نام تو تم نے ضرور سنا ہے، شاہ جہاں بادشاہ اس کا پوتا تھا۔ اب سے کوئی پونے تین سو برس پہلے دہلی میں شاہ جہاں ہی کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ کو اچھی اچھی عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ دہلی کی جامع مسجد بھی اسی بادشاہ نے بنوائی ہے۔

شاہ جہاں کے ایک وزیر تھے سعد اللہ خاں اور ایک

خان سامان تھے فضل خاں۔ آج کل انگریز بھی اپنے کھانا پکانے اور کھلانے والے کو خان سامان کہتے ہیں۔ لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔ اس زمانہ میں خان سامان بادشاہ کے خاص کاموں کا انتظام کیا کرتا تھا۔ ہاں تو یہ مسجد ان ہی دو ذوں شخصوں کی نگرانی میں بنی تھی۔ پہلے اس جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اسے بھولا پہاڑی کہتے تھے۔ بادشاہ نے اسی جگہ کو مسجد کے لئے پسند کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ چھ ہزار راج۔ بیلدار۔ مزدور۔ سنگ تراش وغیرہ چھ برس تک روزانہ اس کے بنانے میں لگے رہے اور لاکھوں روپیہ ان کی مزدوری پر خرچ ہوا ہر قسم کا پتھر بہت سے راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کو نذر کیا تھا۔ مسجد میں زیادہ تر لال پتھر لگا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے۔ اس پر وزیر بہت گھبرائے کیوں کہ ہزاروں من بلبے پڑا ہو تھا بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو حکم دے دیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے اٹھالے جائے۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ دوڑ

۱۶

۱۷ پتھر کا کام کرنے والے۔ ۱۸ مٹی، پتھر، لکڑی وغیرہ

پڑے اور دیکھتے دیکھتے سارا بلبہ اٹھ گیا۔ مسجد صاف ہو گئی فوراً فرش فروش
 شیشہ آلات سے مسجد کو سجا کر دلہن بنا دیا گیا پھر سارے شہر نے اپنے بادشاہ
 کے ساتھ اس مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور خوب خوشیاں منائیں۔

جامع مسجد خوب صورت تو ہے ہی لیکن اس کی خوب صورتی اس
 وجہ سے اور زیادہ نکھر گئی ہے کہ اس کی کرسی بہت اونچی ہے۔ کرسی کی
 اونچائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسجد کے پورب۔ دکھن اور اتر کی
 طرف ایک ایک بڑا پھانگ ہے اور اس پھانگ تک پہنچنے کے لئے تیس چالیس
 سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں بہت لمبی اور کافی چوڑی ہیں۔ سب
 سیڑھیاں مل کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بھاری چبوترہ بنا ہوا ہے۔ ان سیڑھیوں
 پر قہرسم کے سینکڑوں دکان دار بیٹھے ہیں اور شام کے وقت یہاں بڑی رونق
 ہوتی ہے۔ اندر مسجد کا صحن بہت وسیع ہے اور پچوں پنج میں وضو کرنے کے لئے
 بڑا ساحض بنا ہوا ہے۔ سامنے تو مسجد کا اہل دوہرا دالان ہے اور باقی
 تین طرف اکہرے دالان ہیں جن کے در و طرف کھلے ہوئے ہیں۔ ان دالانوں
 کے بیچ میں تینوں طرف تین بڑے بڑے پھانگ ہیں جن کی عمارت بھی بہت
 خوب صورت ہے۔ اتر اور دکھن کے پھانگ تو ہمیشہ کھلے رہتے

ہیں لیکن پورب کی طرف کا پھانک جس کا رخ لال قلعہ کی طرف ہے عام طور پر بند رہتا ہے۔ اسی پھانک سے بادشاہ داخل ہوتے تھے۔

مسجد کے اصل دالان کی چھت بہت اونچی ہے اور محرابیں خوب بڑی بڑی ہیں۔ اندر کا فرش سفید پتھر کا ہے اور کالے پتھر سے مصلے کے نقشے بنائے گئے ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے خوب صورت ریشمی مصلے بچھے ہوئے ہیں۔ خاص دالان کے اوپر تین بڑے بڑے نارنگی کی شکل کے گنبد ہیں اور ان کی بناوٹ کمرک کی طرح کی ہے۔ ان میں ایک ٹی لال پتھر کی اور ایک کالے پتھر کی ہے۔ اوپر سنہرے کلس ہیں جس سے یہ اور بھی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔ دالان کے دونوں طرف دو بڑے اونچے مینار ہیں۔ یہ بھی لال پتھر کے ہیں اور ان میں سفید پتھر کی کھڑی کھڑی پٹیاں پڑی ہیں۔ ان گنبدوں کے اندر چکر دار زینہ ہے۔ بہت سے لوگ اس پر چڑھ کر ساری دہلی کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ ان کے تین کھنڈ ہیں اور ہر کھنڈ کے چاروں طرف کھلا ہوا برآمدہ ہے اور سب سے اوپر بارود کی برجی ہے۔ دالان کی محرابوں پر سفید پتھر پر سیاہ پتھر کے حروف سے کچھ اچھی اچھی عبارتیں اور قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

آج کل اس مسجد میں سب سے بڑی نماز الوداع کے دن ہوتی ہے اور دور
 دور کے شہروں سے ہزاروں آدمی یہاں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ ساری
 مسجد والاں صحن چھتیں بیٹریاں سب کچھ بھرجاتی ہیں اور باہر
 دور تک میدان میں آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ راستہ بند ہو جاتا ہے۔
 سڑکوں پر دوکانوں پر غرض کہ اس پاس کی چپہ چپہ زمین پر لوگ نماز
 پڑھتے ہیں۔ امام صاحب کی آواز سب نمازیوں تک پہنچانے کے لئے
 بیسیوں مکبر کھڑے ہوتے ہیں۔ بیچ پوچھو تو اس دن جامع مسجد کا لطف
 دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

۱۵ رمضان کا آخری جمعہ۔

۱۵ جب جمع زیادہ ہوتا ہے اور امام کی آواز دور تک نہیں پہنچ سکتی تو بیچ بیچ میں لوگ
 کھڑے ہو کر سجدے اور رکوع کے وقت امام کی آواز دہراتے ہیں انہیں کو مکبر کہتے ہیں۔

لال قلعہ

دہلی کی جامع مسجد کی سیر تو تم نے کر لی، اب آؤ، ذرا لال قلعہ کی سیر کرائیں۔ اس قلعہ میں بڑی خوب صورت عمارتیں ہیں۔ یقین ہے انھیں دیکھ کر تم بہت خوش ہو گے۔

دہلی شہر کے بیچ میں ایک مشہور مسجد ہے اسے مسجد فتح پوری کہتے ہیں یہیں سے دہلی کا مشہور بازار چاندنی چوک شروع ہوتا ہے۔ یہ بازار بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ کسی زمانے میں اس کے بیچ میں سے ایک نہر نکلتی تھی۔ نہر کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت لگے تھے۔ ٹرکیوں اور دوکانوں پر تھیں۔ اب یہ نہر بند کر دی گئی ہے۔ درخت کاٹ دئے گئے ہیں اور ٹرک خوب چوڑی نکل آئی ہے۔

جہاں یہ بازار ختم ہوتا ہے بس وہیں سامنے لال قلعہ نظر آتا ہے یہ قلعہ اب سے کوئی تین سو برس پہلے شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا

تھا، وہی بادشاہ جس نے جامع مسجد بنوائی۔

کہتے ہیں یہ قلعہ ساڑھے گیارہ برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ کام کی نگرانی عزت خاں، اللہ وردی خاں اور مکرمت خاں کے سپرد تھی اور کاری گروں میں استاد احمد اور استاد حامد نے سب کام کرایا تھا۔ باہر کی فصیلوں اور اندر کی عمارتوں پر سب ملا کر کوئی ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کی فصیلیں اور اکثر عمارتیں لال پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اسی لئے اس کو لال قلعہ کہتے ہیں۔

اگر تم اس قلعہ کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو ایسا معلوم ہوگا جیسے تم ڈیڑھ میل چلے۔ بس سمجھ لو کہ کیتنا لمبا چوڑا ہے۔ شکل میں یہ بہشت پہلو ہے۔ یعنی اس کے اٹھ کونے ہیں۔ اس باب کے ساتھ ہم نے ایک نقشہ بھی دیا

ہے۔ اس نقشے کو دیکھ کر بہشت پہلو کا مطلب تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ قلعہ کی فصیل کے دو طرف بڑا گہرا اور بہت چوڑا خندق ہے جس میں پہلے پانی بھرا رہتا تھا، تاکہ دشمن قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اندر نہ گھس آئیں اس قلعہ کے دو بڑے بڑے اور مشہور پھانک ہیں۔ ایک کا نام دہلی دروازہ ہے اور دوسرے کا نام لاہوری دروازہ۔ دہلی دروازہ کا رخ پرانی

دہلی کی طرف ہے۔ اور لاہوری دروازہ کا رخ چاندنی چوک کی طرف۔ اب اسی دروازہ سے لوگ زیادہ آتے جاتے ہیں۔

ہاں تو پہلے دو آنے کا ٹکٹ تو خرید لو۔ جب تو اندر جا کر سب کچھ دیکھ سکو گے کیونکہ بلا ٹکٹ کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ ٹکٹ خرید کر جس دروازے سے تم داخل ہو گے وہ گھونگٹ کا دروازہ کہلاتا ہے۔ یعنی جیسے عورتیں چہرے کے سامنے گھونگٹ کر لیتی ہیں اسی طرح اس پھاٹک کے سامنے ایک جانب کو جو دروازہ ہوتا ہے اسے بھی گھونگٹ کا دروازہ کہتے ہیں۔

اس دروازہ کے بعد قلعہ کا اصل پھاٹک پڑتا ہے یہ پھاٹک بڑا خوبصورت اور شاندار بنا ہے۔ اور اس کی تین منزلیں ہیں، اس پھاٹک کے بعد ایک بازار پڑتا ہے۔ اسے چھتہ بازار کہتے ہیں۔ یہ بازار اچھا خاصہ لمبا ہے۔ دونوں طرف دوکانیں ہیں۔ اور ٹرک کی چیمت پٹی ہوتی ہے۔ البتہ بازار کے بچوں بیچ روشنی کے لئے ایک کھلا ہوا چوک ہے۔

اس بازار سے نکل کر ہم کھلے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں اس میدان کے چاروں طرف بہت سی عمارتیں بھٹیں لیکن غدر کے بعد سب عمارتیں گرا دی گئیں۔ بس سامنے نقار خانے کی عمارت نظر آتی

ہے، اس پر کسی زمانے میں پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی آج کل اس کے اوپر کے حصے میں فوجی سامان کی نمائش ہوتی ہے۔ طرح طرح کی توپیں بندو قیں، تلواریں، گولے، کارتوس غرض کہ لڑائی کا ہر طرح کا سامان یہاں موجود ہے اور سب لوگوں کو دکھایا جاتا ہے۔

تھار خانے کے سامنے ہی دیوانِ عام کی عمارت نظر آتی ہے۔ بیچ میں کھلا ہوا میدان ہے جس پر سبزہ آگ رہا ہے۔ پہلے اس میدان کے دونوں طرف بھی اچھی اچھی عمارتیں تھیں لیکن اب ان کا نشان بھی نہیں ملتا۔ اچھا اب چلو دیوانِ عام کی سیر کریں۔ اس میں بادشاہِ عام دربار کیا کرتے تھے اور ہر فریادی کو اس میں آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ یہ ایک بڑا سا ہال ہے۔ جو تین طرف سے کھلا ہوا ہے۔ صرف پیچھے کو دیوار ہے۔ سامنے

بڑے بڑے اور خوب صورت در ہیں۔ کرسی بہت اونچی ہے، اور اند بیسیوں در اور کھبے ہیں جس زمانے میں یہاں دربار ہوتا تھا تو فرس پر قیمتی قالین بچھے ہوتے تھے۔ دیواروں، چھتوں اور کھمبوں پر ریشم کے تھان لپٹے ہوتے تھے اور سامنے کے دروں پر مخمل کے پڑے پڑے ہوتے تھے۔ غرض کہ خوب سجاوٹ ہوتی تھی لیکن اب تو بس خالی عمارت ہی عمارت ہے

سجاوٹ کا کہیں نام بھی نہیں۔

تیچھے کی دیوار کے بچوں بیچ آگے کو نکلا ہوا ایک بہت اونچا چبوترہ ہے اور اس چبوترے پر پتھر کی بڑی خوب صورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس کو نشیمن کہتے ہیں۔ یہیں دربار کے وقت بادشاہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس چبوترے کے پیچھے ایک دروازہ ہے اسی دروازے سے وہ دربار میں داخل ہوتے تھے چبوترے کے پیچھے ایک بہت بڑا سنگ مرمر سفید پتھر کا تخت پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تخت پر کھڑے ہو کر وزیر لوگوں کی عرضیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

خوب صورتی اور کاریگری کے لحاظ سے یہ چبوترہ دیکھنے کے قابل ہے سفید پتھر میں دوسرے رنگوں کے پتھر جڑ کر ایسے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں کہ ہو بہو اصلی معنوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کام کو پتھی کاری کہتے ہیں۔ چھتری میں بھی ایسے ہی پھول بیل بنے ہیں۔ انھیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے چاروں طرف ایک باغ کھلا ہو۔ لیکن اس سے بڑھ کر تیچھے کی دیوار میں پتھی کاری کی گئی ہے۔ اس میں سنگ موسیٰ (کالے پتھر) کی تختیاں جڑی ہیں۔ اور ان تختیوں

میں طرح طرح کی چڑیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں ایسی عمدہ ہیں کہ چڑیاں بالکل زندہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ڈالی پر سے یہ چڑیا اب پھر سے اڑی اور اس ڈالی پر سے وہ چڑیا اب پھر سے اڑی، ایک تصویر اس میں اور بھی بہت عمدہ ہے۔ ایک دنی کھڑا کوئی باجا، بجا رہا ہے، شیر اور جنگل کے دوسرے جانور اس کے باجے سے اتنے مست ہو گئے ہیں کہ اس کے پانوں میں لوٹ رہے ہیں۔ یہ تصویر لوگ اکھاڑ کر لندن لے گئے تھے۔ لیکن بعد میں پھر وہاں سے منگا کر یہیں جڑ دی گئی۔

(۲)

نقشے میں دیکھو کہ قلعے کے پچھلے حصے کی طرف جمنابہر رہی ہے۔ اس کے کنارے کنا سے تمام خاص خاص محل اور عمارتیں ہیں۔ ایک طرف اسد بُرج ہے اور دوسری طرف شاہ بُرج، ان دونوں برجوں کے بیچ میں عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ پہلے سب جگہ محلوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن اب ان میں سے کچھ تو گرا دی گئیں اور کچھ باقی ہیں۔ چلو اسد بُرج کی طرف سے چلیں۔ سب سے پہلی عمارت

خورد جہاں یا چھوٹی دنیا تھی لوگ کہتے ہیں کہ یہ عمارت بہت خوب صورت
 تو نہ تھی لیکن خوش گو اور بہت تھی یعنی اس عمارت کے چاروں طرف پھول باغ
 تھے۔ بڑے بڑے گھنے درخت تھے۔ سبزہ آگاہ ہوا تھا۔ فوارے چھٹتے تھے۔ اور
 سیلوں سے ڈھکی ہوئی بارہ دریاں نبی ہوئی تھیں۔ جن میں بڑی ٹھنڈک
 رہتی تھی۔ اب اس عمارت اور اس کے باغ کا نشان بھی باقی نہیں رہا ہے۔

اس کے بعد ممتاز محل ہے۔ پرانے زمانے میں اس میں
ممتاز محل بیگمیں رہتی تھیں۔ انگریزوں نے جب لال قلعہ پر قبضہ

کیا تو اسے قید خانہ بنایا تھا۔ اب اس میں عجائب گھر ہے۔ پرانے زمانے کی
 طرح طرح کی ہاتھ کی کھنچی ہوئی تصویریں، بادشاہوں کے استعمال کے کپڑے
 برتن، ہتھیار اور بہت سی چیزیں یہاں رکھی ہیں۔ لوگ گھنٹوں یہ چیزیں
 دیکھتے ہیں اور پرانے زمانے کے کاریگریوں کی تعریف کرتے ہیں، کیونکہ
 یہاں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو آج کل کے کاریگر نہیں بنا سکتے۔

ممتاز محل کے بعد دریا محل تھا۔ اس میں دریا کی طرف
دریا محل ایک سا تباہ نکلا ہوا تھا۔ اسی لئے اسے دریا محل کہتے
 تھے۔ اس عمارت کو اب گرا دیا گیا ہے۔

رنگ محل | یہ محل دیوان عام کی بالکل پشت پر پڑتا ہے اسے امتیاز محل بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا اور عالی شان محل تھا۔ کسی

زمانے میں اس کی چھت پر تنچے کی طرف چاندی کا نول چڑھا ہوا تھا۔ فرخ میر بادشاہ کے زمانے میں یہ چھت اکھاڑ دی گئی۔ اس محل کے بیچ میں ایک حوض ہے اس کی شکل بڑے سے کنول کے پھول کی سی ہے۔ پھول کے بیچ میں ایک پیالا سا بنا ہے اور اس پیالے میں سے فوارہ نکلتا ہے۔ اس محل کے پتھے دو تہہ خانے ہیں اور سامنے صحن میں ایک بڑا سا پتھر کا حوض رکھا ہوا ہے۔ اس حوض میں خاص بات یہ ہے کہ یہ ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہے۔ کسی جگہ جوڑ نہیں ہے۔ ایک پتھر کا اتنا بڑا حوض شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئے۔

اس محل کے بچوں کے پاس سے ایک نہر گزرتی ہے۔ اسے نہر بہشت کہتے ہیں۔ یہ نہر شاہ برج کے پاس سے آتی تھی اور راستے میں سب محلوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی اسد برج کے پاس جہاں میں گر جاتی تھی۔ جگہ جگہ اس میں فوارے لگے تھے۔ جب یہ نہر بہتی ہوگی اور یہ فوارے چلتے ہوں گے تو بڑا بھلا معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن اب تو یہ نہر سوکھی پڑی ہے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔

خاص محل

زنگ محل کے بعد خاص محل ہے۔ اس محل کے تین حصے

ہیں۔ تسبیح خانہ، خواب گاہ، اور بیٹھک یا توشہ خانہ۔

جس والاں کا رُخ زنگ محل کی طرف ہے وہ بیٹھک کے نام سے مشہور ہے

تسبیح خانہ اور خواب گاہ کے بیچ میں ایک در ہے جس میں سے نہر بہشت

بہتی ہے اس در میں سنگ مرمر کی ایک جالی بنی ہوئی ہے۔ دور سے دیکھنے

سے یہ جالی اتنی باریک معلوم ہوتی ہے جیسے ناروں کی بنی ہو۔ لیکن قریب سے

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پتھر کا اتنا نفیس کام کیا گیا ہے۔ اس جالی کے

اوپر ایک ترازو کی تصویر بنی ہے۔ اسے انصاف کی ترازو کہتے ہیں۔ مطلب

یہ ہے کہ بادشاہ سب کو برابر سمجھتے تھے اور سب کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔

خواب گاہ بادشاہ کے آرام کی جگہ ہے۔ اس کے تین کمرے ہیں۔

اور سب کمروں پر دروازے چڑھے ہوئے ہیں۔ اس کی کچھلی دیوار سے

ملا ہوا ایک اٹھ کو نوں کا برآمدہ ہے اور اس پر گنبد بنا ہوا ہے۔ اسی کو

مشنن برنج کہتے ہیں۔ اس برنج پر سونے کا طمع کئے ہوئے تابنے کے پتھر چڑھے

تھے۔ اب تو خالی چونے کا پلاسٹر ہے۔ اس برنج کے اٹھ کو نوں میں سے

تین تو خواب گاہ میں شامل ہو گئے ہیں اور پانچ کو نے جمنائی طرف

نکلے ہوئے ہیں بیچ میں ایک چھوٹا سا برآمدہ ہے جو بعد میں اکبر شاہ ثانی نے بنوایا تھا، اسے جھروکہ کہتے ہیں۔

پرانے زمانے میں لوگ روز صبح بادشاہ کی زیارت کو جنما کے کنارے جمع ہو کرتے تھے اور بادشاہ اسی جھروکے میں کھڑے ہو کر لوگوں کو درشن دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جب جنما کے کنارے ہاتھیوں کی لڑائی یا کوئی اور تماشہ ہوتا تھا تو بادشاہ یہیں سے بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے۔

یہ محل سب سے خوب صورت ہے۔ اس میں بادشاہ **دیوانِ خاص** دربار کیا کرتے تھے۔ یعنی اپنے وزیروں وغیرہ سے

مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کی چھت اور دیواروں پر بہت خوبصورت پیچی کاری اور سنہرے پھول بوٹے بنے ہیں۔ اور فارسی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو بس یہیں ہی

اس کے سامنے بادشاہی زمانے میں ایک لال پردہ پڑا رہتا تھا۔ محل میں جنما کی طرف کے دالان میں سنگ مرمر کا تخت رکھا ہوا ہے۔ اس تخت پر بادشاہ کے بیٹھنے کا "تخت طاؤس" رکھا جاتا تھا۔

تخت طاؤس | یہ تخت بے بدل خاں داروغہ نے شاہ جہاں کے حکم سے بنوایا تھا۔ اس میں ایک لاکھ تولہ سونا

لگا تھا اور سات برس میں بن کر تیار ہوا تھا اس میں طرح طرح کے جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، ہیرے، موتی، زمرہ، نیلم وغیرہ جڑے تھے۔ اس کی چھت پر زیچ میں ایک درخت ہیرے جواہرات کا تھا اور دونوں طرف دو مور تھے۔ مور کو فارسی میں طاؤس کہتے ہیں اسی لئے اس تخت کا نام بھی ”تخت طاؤس“ پڑ گیا۔ ایران کا بادشاہ نادر شاہ اس تخت کو دہلی سے لے گیا تھا۔

حمام | دیوان خاص کے بعد حمام ہے یہاں بادشاہ غسل کرتے تھے۔ اس کے تین درجے ہیں۔ جنہا کی طرف کے درجے کو ”جامرکن“

کہتے ہیں۔ یعنی یہاں بادشاہ کپڑے اتارتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ ”سردخانہ“ کہلاتا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں ٹھنڈا پانی رہتا تھا۔ یہاں تخت کی شکل کی ایک سنگ مرمر کی جاناڑھی رکھی ہے تیسرا درجہ ”گرم خانہ“ کہلاتا ہے۔ اس کے پیچھے پانی گرم کرنے کی اینگٹھی اور حوض ہے حمام میں دیواروں پر اور فرش پر مٹنی زیادہ بچھی کاری کی

ہوتی ہے کہ ایسی کسی عمارت میں نہیں ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول
 بوٹوں والی بڑی اچھی محل کا فرش ہے۔ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے بھی
 جی دکھتا ہے کہ کہیں یہ سیلی نہ ہو جائے۔ اس کے حوضوں اور زالیوں میں
 پتھر کی پتھی کاری کر کے اس طرح کا لہریا بنا دیا گیا ہے کہ جب اس میں
 پانی ہے تو یہ لہتا ہوا معلوم ہو۔

موتی مسجد | حمام کے کچھم کی طرف سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی خوب صورت
 مسجد ہے۔ یہ مسجد اورنگ زیب بادشاہ نے بنوائی تھی،

اس میں بادشاہ اور بیگمیں نماز پڑھا کرتی تھیں۔ اس کے گنبد بالکل
 سنہرے تھے۔ غد میں ان پر ایک توپ کا گولا گرا تھا جس سے بہت
 نقصان ہوا تھا۔ اب ان کی مرمت کر دی گئی ہے مسجد کے بیچ میں وضو
 کرنے کے لئے ایک حوض بنا ہے اور فرش پر مصلوں کے نقشے بنے ہیں۔

ہیرا محل - موتی محل | ہیرا محل حمام کے اتر کی طرف ایک بارہ دری
 کی شکل کا ہے، اس کو ہیرا شاہ ظفر نے بنوایا

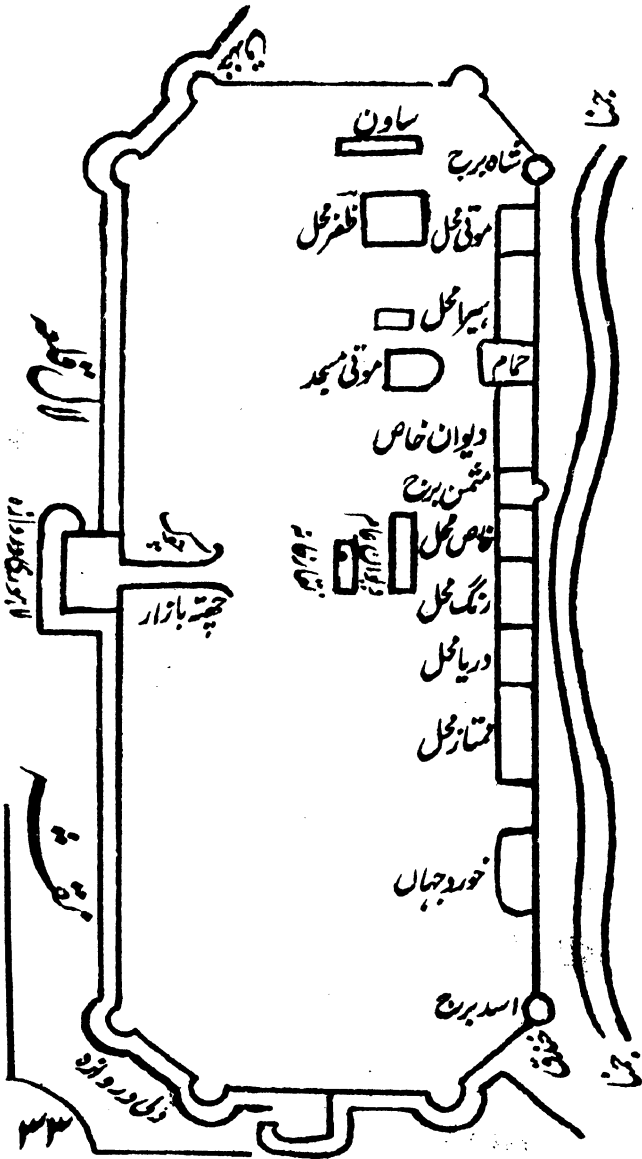
تھا جو دہلی کے آخری مسلمان بادشاہ تھے۔ اسی کے برابر میں کسی زمانے میں
 موتی محل تھا۔ لیکن ندر کے بعد اسے توڑ ڈالا گیا۔ اب صرف اس کی

حدیں معلوم ہوتی ہیں کہ یہاں یہاں تک تھا۔

ساون۔ بھادوں | ہیرا محل اور موتی محل کے سامنے ساون اور بھادوں کی دو عمارتیں اُمنے سامنے

نبی ہیں۔ یہ عمارتیں سنگ مرمر کی ہیں اور بالکل ایک سی نبی ہیں۔ ان کے زینچ میں حوض ہیں جن میں نہر سے پانی کی چادر گرتی تھی اور آگے فوارے کی طرح چھوٹی تھی۔ اسی لئے انھیں ساون اور بھادوں کہتے ہیں۔

ظفر محل | ساون بھادوں کے زینچ میں حیات بخش باغ تھا۔ باغ کے زینچوں میں بڑا سا حوض ہے اور حوض کے زینچ میں یہ لال پتھر کی عمارت ہے اسے بھی بہادر شاہ ظفر ہی نے بنوایا تھا۔



قطب مینار

اب تک تم نے شہر دہلی کے اندر کی دو مشہور عمارتوں کی سیر کی۔ آؤ۔
آج ذرا دور، دہلی کے باہر چلیں اور قطب مینار کی سیر کر لائیں۔

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اصلی پرانی دہلی یہی تھی جہاں قطب مینار
بنا ہے یہیں پہلے ہندو راجہ رائے پتھورا حکومت کرتا تھا اور اسی کو سلطان
محمد غوری نے فتح کیا تھا۔ پھر فتح کرنے کے بعد یہیں اپنے غلام قطب الدین
ایبک کو گورنر بنا کر واپس چلا گیا تھا۔ قطب الدین کے بعد سلطان شمس الدین
التمش دہلی کے بادشاہ ہوئے اور ان ہی نے یہ قطب مینار بنوایا۔

قطب مینار ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی عمارت ہے
اور بلندی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ دُور دُور سے لوگ
اسے دیکھنے آتے ہیں، اور اس کے اوپر چڑھتے ہیں۔ یہ مینار اتنا اونچا ہے
کہ اگر نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی سر سے گر جاتی ہے اور آراؤں

چڑھ کر نیچے نظر ڈالو تو ساری دہلی دور دور تک نظر آتی ہے اور نیچے کے آدمی
ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بالشتے ہوں۔

کہتے ہیں اس مینار کے پہلے سات کھنڈ تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو برس
ہوئے جب بڑے زور کی کالی آندھی اور زلزلہ آیا تھا۔ اس وقت اوپر کے
دو کھنڈ گر گئے۔ اب صرف پانچ کھنڈ باقی ہیں۔ انگریزوں نے پانچویں کھنڈ
کے اوپر ایک چھتری یا برجی بنوائی تھی بعد میں اُسے اتروا کر نیچے رکھوا دیا ہے۔

مینار اب پانچوں کھنڈ ملا کر کوئی انتی گز اونچا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جب
ساتوں کھنڈ موجود تھے تو اس کی اونچائی پورے ستو گز تھی۔ ہر کھنڈ کے
ختم پر چاروں طرف ایک خوب صورت برآمدہ بنا ہوا ہے اور سب اوپر

سنہرا گنبر ہے تاکہ جو لوگ اوپر چڑھیں وہ گرنے جائیں، پہلے کھنڈ میں باہر
کی طرف کو، اوپر سے نیچے تک ایک لکیر گول اور ایک کمر کی طرح بنائی
ہے۔ دوسرے کھنڈ میں سب لکیریں گول ہیں۔ تیسرے میں سب کمر کی

ہیں۔ اوچوتھے، پانچویں کھنڈ سادے ہیں، مینار کے باہر باہر پتھر پر بڑے
اچھے اچھے میل بوٹے کھودے گئے ہیں اور قرآن شریف کی آیتیں

ایسی خوب صورتی سے کھودی ہیں جیسے کسی خوش خط لکھنے

والے نے کاغذ پر لکھ دی ہوں۔

مینار اندر سے بالکل خالی ہے اور چکر دار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد پونے چار سو کے قریب ہوتی ہے ان پر اتنے آدنی اترتے چڑھتے ہیں کہ یہ سیڑھیاں بہت کچھ گھس گئی ہیں۔ مینار پر چڑھتے وقت طاقتور سے طاقتور آدنی ہانپتے لگتا ہے سانس پھول جاتی ہے اور جب اوپر پہنچتا ہے تو پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ لیکن جہاں اوپر پہنچے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اور ذرا سی دیر میں ساری تھکن اتر جاتی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ چڑھنے سے زیادہ اترنا مشکل ہے۔ اترنے میں پنڈلیاں اور رانیں پھٹنے لگتی ہیں اور کئی کئی دن تک ان میں درد باقی رہتا ہے۔

مینار کے پاس ہی ایک عالی شان مسجد کی ٹوٹی بھوٹی دیواریں ہیں یہ پرانی دہلی کی جامع مسجد تھی۔ اسے سلطان قطب الدین ایبک نے بنوایا تھا اور بعد کے بادشاہوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا۔ لیکن اب یہ مسجد گر گئی ہے صرف تھوڑی سی دیواریں، محرابیں اور ایک دروازہ باقی ہے۔ ان سب پر بہت نفیس ہیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور قرآن شریف کی آیتیں کھدی ہوئی ہیں۔

مسجد کے صحن میں ایک لوہے کی لاٹھ ہے۔ یہ لاٹھ بالکل ٹھوس اور
ایک سی ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے زمانے کی ہے اور اس پر اسی
زمانے کی پرانی زبان میں کچھ کھدا ہوا ہے۔

مسجد کے پیچھے ایک بنیرِ حجت کا مقبرہ ہے اس میں ایک اونچی سی
قبر ہے۔ اسی میں قطب مینار کا بنانے والا سلطان شمس الدین التمش
قیامت کی نیند سو رہا ہے۔

مینار کے پچھم کی طرف اور مسجد کے دکھن کی طرف ایک اور ٹوٹا پھوٹا سا
مقبرہ ہے۔ اس میں سلطان علاء الدین خلجی کی قبر ہے۔ اسی بادشاہ نے
مسجد کی دوسری طرف قطب مینار کے مقابلے میں ایک اور مینار بنوانا
شروع کیا تھا۔ لیکن وہ ابھی تھوڑا سی سا بن پایا تھا کہ بادشاہ کا انتقال
ہو گیا۔ یہ مینار اب بھی ویسے ہی ادھورا پڑا ہے۔ قطب مینار کے دکھن کی
طرف ایک بڑا خوب صورت پھانک بنا ہوا ہے۔ اس کو بھی علاء الدین
خلجی نے بنوایا تھا۔

اچھا اب تم نے قطب مینار کے آس پاس کی سب چیزیں تو دیکھ

لیں اب ذرا اس احاطے سے باہر چلو۔

قطب مینار کے پچھم کو حضرت قطب صاحب کا مزار ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ شاید تمہیں سمجھنے میں کچھ غلطی ہو اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دہلی کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کی قبر لاہور میں ہے۔ یہ مزار تو ایک درویش کا ہے جنہیں قطب صاحب کہتے ہیں اور جن کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکی ہے۔ یہاں بھی مسلمان زیارت کے لئے آتے ہیں۔ درگاہ کے احاطے میں آخری زمانے کے کئی مسلمان بادشاہوں کی بھی قبریں ہیں۔

ان عمارتوں کے علاوہ اکبر بادشاہ کی دایہ کے لڑکے کا مقبرہ، اولیاً مسجد، شمسی تالاب، جھرنہ اور ٹھپول والوں کی سیر کی جگہ بھی دیکھنے کے قابل

ہمایوں کا مقبرہ

قطب مینار تو تم نے دیکھ لیا اب چلو ہمایوں کا مقبرہ دکھا لائیں۔
یہ مقبرہ قطب مینار اور دہلی شہر کے قریب قریب ادھنیچ میں ہے۔ یہاں
دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کا مزار ہے۔

مقبرے تو ہندوستان میں بہت سے ہیں لیکن خوب صورتی کے
لحاظ سے دو بہت مشہور ہیں، اول نمبر پر اگرے کا تاج محل ہے۔ اور
دوسرے نمبر پر ہمایوں کا مقبرہ ہے۔

ہمایوں اکبر بادشاہ کا باپ تھا۔ بے چارہ تھوڑے ہی دن ہندوستان
میں حکومت کر سکا تھا کہ شیر شاہ نے اس سے دہلی کا تخت چھین لیا۔ پھر یہ
ایران گیا اور وہاں سے لکھنؤ لاکر اپنا تخت واپس لیا۔

اس کے بعد سے غدر کے زمانے تک ہندوستان میں مغلوں ہی کی
سلطنت رہی۔ ہمایوں نے تو پھر تھوڑے دن حکومت کی

لیکن ان کے بیٹے اکبر بادشاہ نے جو اپنے باپ کے انتقال کے وقت بہت ہی کم عمر تھے اور ان کی اولاد نے عرصے تک حکومت کی سلطنت کو خوب ترقی دی اور بہت سی اچھی اچھی عمارتیں بنوائیں۔

ہمایوں کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہوا۔ ایک دن وہ اپنے کتب خانے کی اوپر والی منزل پر بیٹھا تھا کہ اتنے میں مغرب کی اذان ہوئی۔ بادشاہ مسجد میں جماعت میں شریک ہونے کے لئے جلدی جلدی اُترے ننگا آفاق سے سیڑھیوں پر سے پاؤں پھسلا اور وہیں گر کر شہید ہو گیا۔ یہ مقبرہ ہمایوں کے انتقال کے چودہ برس بعد اس کی بیوی جمید بانو بیگم نے بنوایا تھا۔ گویا اسے بنے ہوئے پونے چار سو برس ہوئے۔ کہتے ہیں کہ سولہ برس میں یہ بن کر تیار ہوا تھا اور ۱۵ لاکھ روپیہ اس پر خرچ آیا تھا۔

اس مقبرے میں جانے سے پہلے ایک بڑا سا خوب صورت پھانک پڑتا ہے۔ اس پھانک سے نکل کر سامنے مقبرے کی عمارت نظر آتی ہے۔ اس مقبرے میں صرف ہمایوں بادشاہ ہی کی قبر نہیں ہے بلکہ مغل بادشاہوں کے خاندان کے بہت سے لوگ یہاں دفن ہیں۔ اس باب کے ہم

ساتھ مقبرے کی ایک تصویر بھی ہے۔ اس میں دیکھو اوپر کی منزل پر تو مقبرے کی عمارت ہے اور نیچے کی منزل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے در نظر آتے ہیں۔ اصل میں یہ سب درتہ خانوں کے راستے ہیں۔ ان ہی تہ خانوں میں شاہی خاندان کے لوگ دفن ہیں۔ ان میں جو مشہور مشہور ہیں ان کے تعویذ اوپر کی منزل پر بنا دیئے گئے ہیں۔ خود ہمایوں اور اس کی بیوی کی قبریں بھی نیچے تہ خانے میں ہیں۔ اوپر تو صرف تعویذ ہیں۔ شاہ جہاں کے بیٹے اور اورنگ زیب کے بھائی داراشکوہ کی قبر بھی یہیں ہے لیکن اس کا ٹھیک نشان کسی کو معلوم نہیں۔ بادشاہوں میں سے فرخ سیر، رفیع الدولہ، رفیع الدرجات اور عالم گیر تانی بھی یہیں دفن ہیں۔

نیچے کی منزل میں جو در نظر آتے ہیں ان میں سے بیچ کے در میں

سیڑھیاں ہیں ان ہی سیڑھیوں پر سے اوپر جاتے ہیں۔ اوپر بڑا لمبا چوڑا صحن ہے۔ اور نیچوں بیچ میں مقبرے کی عمارت ہے۔ یہ عمارت بہت بڑی ہے لیکن ہر چیز کا جوڑ ایسا ملایا گیا ہے کہ بڑی ٹبک معلوم ہوتی ہے سارا مقبرہ ٹوالا اور سفید پتھر کا ملا ہوا بنا ہے لیکن بیچ کا گنبد بالکل سفید پتھر کا ہے اس لئے موتی کی طرح خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

ہمایوں کی قبر تک جانے کے لئے سامنے جو دروازہ نظر آتا ہے اس سے راستہ نہیں ہے بلکہ سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنا پڑتا ہے۔ مقبرے کے دکن کی طرف جو دروازہ ہے اس میں گھستے ہی سامنے دو بڑی بڑی قبریں نظر آتی ہیں۔ یہی ہمایوں بادشاہ اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں۔ اندر سے بھی مقبرے کا گنبد بہت ہی مضبوط اور خوبصورت ہے۔ اس بیچ والے مقبرے کے چاروں طرف بہت سے کمرے ہیں۔ ان کمروں میں بھی اکثر بادشاہوں کی قبریں ہیں۔

دکنی دروازے کے دونوں طرف زینے ہیں۔ ان سے لوگ اوپر چڑھ کر دور دور کی سیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اوپر کے کمروں میں بھول بھلیاں ہے۔ یعنی آدمی اوپر جا کر راستہ بھول جاتا ہے۔

یہ مقبرہ ایک لحاظ سے اور مشہور ہے۔ مغلوں کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھے۔ جب انگریزوں نے دہلی پر حملہ کیا تو یہ بے چارے لال قلعہ سے بھاگ کر یہیں آ کر چھپے تھے۔ کسی نے انگریزوں کو خبر دی۔ بس ان کا ایک افسر میجر ہڈسن فوج لے کر یہاں آ پہنچا۔ بادشاہ اپنے بال بچوں کو لئے اسی بیچ والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ قبر کے برابر

اُن کی مسند بھی تھی۔ اور وہ خود قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ میجر ہڈن نے
اگر اُنھیں گرفتار کر لیا اور قید کر کے برما بھیج دیا۔ ان بے چارے کا وہیں
انتقال ہوا اور وہیں قبر ہے۔

مقبرے کے باہر بھی بہت سی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں مثلاً
عیسائی خاں کا مقبرہ، عرب سرانے جہاں عرب کے لوگ قرآن شریف
پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شمشادین کا مزار حضرت نظام الدین اولیا کے
رہنے کا مکان وغیرہ وغیرہ۔

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

ہمایوں کے مقبرے سے تھوڑی دور پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا مزار ہے۔ چلو اس کی زیارت بھی کرتے چلیں۔

حضرت نظام الدینؒ دہلی کے بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ دن رات اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بڑے کاموں سے بچتے تھے۔ اچھے کام کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندے تھے۔ بس اللہ تعالیٰ بھی اُن سے خوش ہوا اور انھیں اتنا بڑا مرتبہ بخشا کہ یہ اللہ والے، اللہ کے پیارے یعنی محبوب الہی مشہور ہو گئے۔ پھر تو ان کی خدمت میں بڑے بڑے بادشاہ حاضر ہونے لگے۔ سارے ہندوستان میں اُن کا نام مشہور ہو گیا۔ اور لوگ انھیں ولی اللہ اور پیغمبر ہونے فقیروں کا بادشاہ یعنی سلطان جی کہنے لگے۔ اب بھی دو دور سے لوگ اُن کے مزار کی زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

چاند کے مہینے تو شاید تمہیں معلوم ہوں محرم سے سال شروع

ہوتا ہے۔ اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا ہے، پھر ربیع الاول کا۔ پھر ربیع الثانی کا۔ بس اسی ربیع الثانی کے مہینے میں ستر سو میں تاریخ کو سلطان جی کا عرس ہوتا ہے۔ درگاہ کے چاروں طرف بڑا بھاری میلہ لگتا ہے اور ہزاروں آدمی وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

سلطان جی کو انتقال کئے کوئی سو اچھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے۔ انھوں نے وہلی کے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا یعنی غلام خاندان کے بادشاہ سلطان نغیث الدین بلبن کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ خلیوں کے سارے خاندان کو دیکھا اور نغیث الدین تغلق کے زمانے میں وصال ہوا۔

مزار کے پھاٹک سے داخل ہونے پر سب سے پہلے ایک باؤلی پڑتی ہے۔ یہ باؤلی بہت گہری ہے اور پتھے تک اس میں بڑی خوب صورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سلطان جی نے اپنے جیتے جی بنوائی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس میں نہانے سے جلد کے بہت سے مرضوں مثلاً کھلی، پھنسی وغیرہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس باؤلی میں گنچک کی بو آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پانی میں ضرور گنچک کا اثر

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھوڑا یا پھنسی کو آرام ہو جاتا ہے۔ اس باؤلی میں ایک
 تماشہ خوب ہوتا ہے۔ اوپر سے لوگ اس میں پیسے پھینکتے ہیں۔ تیرنے والے
 لڑکے پیسے کے ساتھ ہی کودتے ہیں اور اس سے پہلے کہ پیسہ پانی تک
 پہنچے یہ راستہ ہی میں لپک لیتے ہیں۔

باؤلی کے بعد پھر مزار کا اصل دروازہ آتا ہے۔ اس کے بعد ایک
 کھلا ہوا صحن ہے۔ اور بیچوں بیچ میں مزار کی نہایت خوب صورت چھوٹی
 سی عمارت ہے۔ عمارت کے اوپر سنگ مرمر کا گنبد ہے۔ بیچ میں حجرہ ہے
 اور اس کے چاروں طرف بارہ دری ہے۔ اس کی چھت تانبے کی ہے۔
 جس پر سونے اور لاجورد کی مینا کاری کی ہوئی ہے۔ حجرے کے دروازے
 چاندی کے ہیں۔ اسی کے اندر مزار ہے اور اس پر صندل کا جالی دار
 چھپر کھٹ سا بنا ہوا ہے۔

مزار کے کچھ کی طرف ایک عالی شان مسجد ہے اسے سلطان
 علاؤ الدین خلجی اور اس کے بیٹوں نے بنوایا تھا۔ اس کا گنبد اندر سے بہت
 اونچا ہے۔ لمبائی چوڑائی کم ہے۔ اور کھلا ہوا صحن بالکل نہیں ہے اس لئے
 یہ مسجد کچھ بند بند ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بیچوں بیچ میں ایک سونے کا

کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ جب جاٹوں نے دلی پر چڑھائی کی تو انھوں نے اس پر بند و قیں چلائی تھیں۔ اس کے سوراخ اب تک موجود ہیں۔

مزار کے بالکل سامنے تین کھلی چھت کے حجرے ہیں۔ ان کی دیواریں خوب صورت جالی دار پتھر کی ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف پہلے حجرے میں شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا کی قبر ہے۔ اس کی قبر پر فارسی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گھاس کے سوا میری قبر پر کوئی غلاف نہیں کیونکہ غریبوں کی قبر پر اسی کا غلاف ہوتا ہے۔ دوسرے حجرے میں دہلی کے بادشاہ محمد شاہ رنگینے دفن ہیں اور تیسرے حجرے میں آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بھائی مرزا جہاں گیر کی قبر ہے۔

انھیں دیکھنے کے بعد آگے چلو یہاں سلطان جی کے مرید حضرت امیر خسرو کا مزار ہے۔ یہ فارسی اور ہندی کے بہت مشہور شاعر گذرے ہیں اور بڑے اچھے بزرگ تھے۔ انھوں نے بہت سی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ لکھی ہیں۔ تم کو بھی ان کے سننے کا بڑا شوق ہوگا اس لئے ہم علیحدہ علیحدہ سب کے نمونے لکھتے ہیں۔

بوچھ دار پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں اُن کی بوچھ بھی موجود ہو۔ اور

ذرا سے غور کرنے سے سمجھ میں آجائے مثلاً

لوٹا:۔ گول مول اور چھوٹا موٹا ہر دم وہ تو زمیں پہ لوٹتا

خسر و کہے یہ نہیں ہے چھوٹا جو نا بوچھے عقل کا کھوٹا

موری:۔ ساون بھادوں بہت چلت ہے ماگھ پوس میں تھوڑی

امیر خسرو یوں کہیں تو بوچھ پہیلی موری

ناخن:۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا

چوری کی ناخون کیسا

بن بوچھ پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں بوچھ موجود نہ ہو اور زیادہ غور

کرنا پڑے۔ یہ زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں۔

سب کے سر پر اوندھا دھرا

آسمان:۔ ایک تھال موتیوں کا گھرا

موتی اس سے ایک ٹکڑے

چاروں اوروں تھالی پھر

مارا جائے نہ زخمی ہو

آئینہ:۔ سامنے آئے کردے دو

کچھ تو۔ آگے سے وہ گانٹھ لٹھیلا پیچھے سے وہ ٹیڑھا

ہاتھ لگائے قبر خدا کا بوجھ پہیلا میرا

بھٹا۔ آگے آگے بہنا آئی پیچھے پیچھے بھیٹا

وانت نکالے باوا اے برقعہ اڑھے میتا

پھوٹا۔ کھیت میں اُتے سب کوئی کھائے

گھر میں ہووے گھر کو کھائے

روپیہ۔ دانائی سے دانت اس پہ لگاتا نہیں کوئی

سب اُس کو بھناتے ہیں پہ کھاتا نہیں کوئی

کہہ مکر نیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں آتا پتا اس طرح بیان کیا جاتا

ہے کہ اہل بوجھ کے بجائے کسی دوسری چیز کا شبہ ہو پھر بعد میں وہ پوچھا

کہہ دی جاتی ہے مثلاً

رام (خدا)۔ بکھت بے بکھت موہے واکی آس

رات دنا وہ رہوت پاس

میرے من کے کرت سب کام

اے سکھی ساجن ناسکھی رام

ڈھول:- وہ آوے تب شادی ہو اس بن دو جا اور نہ کوئے
یہ ٹھے لاگیں وا کے بول اے سکھی ساجن ناسکھی ڈھول

دوسخنے

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں کئی سوال کئے جائیں اور سب کا جواب
ایک ہی ہو مثلاً

روٹی جلی کیوں - گھوڑا اڑ کیوں - پان سڑ کیوں ؟ پھیرا نہ تھا
گوشت کیوں نہ کھایا - ڈوم کیوں نہ گایا ؟ گلانہ تھا
راجہ پیاسا کیوں - گدھا اُدا سا کیوں ؟ لوٹانہ تھا

نسبتیں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں دو چیزوں کی ایک ہی ملتی جلتی
بات پوچھی جاتی ہے مثلاً

گوٹے اور آفتاب میں کیا نسبت ہے ؟ کرن
گہنے اور درخت میں کیا نسبت ہے ؟ پتے
گھوڑے اور نراز میں کیا نسبت ہے ؟ تھان

انمل ڈھکوسلے

ان میں بالکل بے جوڑ بات کہی جاتی ہے۔ مثلاً
کوٹھی بھری کلہاڑیاں تو حریرہ کر کے پنی

بہت جلدی ہے تو چھپیر سے منہ پو پچھ

اچھا اب تم نے امیر خسرو کی پہیلیاں بھی سن لیں۔ اور یہاں کی سب

عمارتیں اور مزار بھی دیکھ لئے لیکن ایک چیز رہ گئی ہے چلو وہ بھی دکھاویں۔

درگاہ سے باہر نکل کر سیدھے ہاتھ کی طرف تھوڑی دور جاؤ تو مرزا

اسد اللہ خاں غالب کی قبر ملے گی۔ یہ بھی دیکھ لو۔ کیوں کہ یہ اردو کے بہت

بڑے شاعر گذرے ہیں۔ ان کی شاعری بہت مشکل ہے۔ اس لئے جب تم

بڑے ہو گے تو انکے شعر تمہاری سمجھ میں آئیں گے۔ ابھی تم اخص پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔

غالب کی قبر کے دروازے ٹڑھ کر ایک پھانک پڑتا ہے۔ اس کے اندر جا کر

سامنے ایک بڑی خوب صورت عمارت نظر آتی ہے جسے چوتھوٹھ کہا جاتا ہے

اسے بھی ضرور دیکھ لو۔ اور اس کے بعد گھر واپس چلو۔

یوں دیکھنے کو یہاں بہت سے بڑے بڑے آدمیوں کی قبریں ہیں لیکن

سب چیزیں دیکھنے میں تو بہت وقت لگے گا۔ اور اب میر بھی کافی ہو گئی ہے

دو پڑانے قلعے

اب تم نے دہلی کی سب اچھی اچھی اور خاص خاص عمارتیں تو دیکھ لیں آج چلو دو پڑانے قلعوں کی سیر کرائیں۔

دہلی کا یہ سب سے پڑانا قلعہ ہے۔ اور اندر پرست یادیں بناہ

شہر سے کوئی میل ڈیڑھ میل پر واقع ہے کہتے ہیں کہ اسے بنے ہوئے بارہ سو برس کے قریب ہوئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندو راجاؤں کی حکومت تھی ان میں تنویرا چھوت

خاندان کے ایک راجہ اندر پال تھے انھوں نے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ اسے اندر پرست کہتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور ہمایوں بادشاہ

تحت پر بیٹھے تو انھوں نے اس کی دو بار مرمت کرائی اور اس کا نام دین پنا رکھا۔ کچھ دن بعد شیر شاہ نے ہمایوں سے تخت چھین لیا اور اس قلعے پر

قبضہ کر لیا۔ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا۔ پھر شیر شاہ

نے اس میں ایک عالی شان مسجد اور ایک اچھی سی عمارت بنوائی۔ اس عمارت کو شیر منزل کہتے تھے لیکن بگڑتے بگڑتے اس کا نام شیر منزل پڑ گیا ہے۔ شیر شاہ کے انتقال کے بعد جب ہمایوں بادشاہ ایران سے فوج لے کر واپس آیا اور اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کیا تو شیر منزل کو اپنا کتب خانہ بنایا۔ یہی وہ مخمس عمارت ہے جس پر سے گر کر ہمایوں بادشاہ کا انتقال ہوا۔ مسجد اور شیر منزل کے سوا اور کوئی عمارت اس قلعے میں دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی یہ اس خیال سے دیکھنے کے قابل ہے کہ دہلی کا سب سے پرانا قلعہ ہے جو اب تک موجود ہے۔

دہلی شہر کے بہت سے دروازے ہیں ان میں **کوٹلہ فیروز شاہ** سے ایک دہلی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے

کے باہر نکلتے ہی تھوڑے سے فاصلے پر فیروز شاہ کا بنایا ہوا قلعہ ہے اسے کوٹلہ کہتے ہیں۔

یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں میں یہاں پہلے پٹھانوں کی حکومت تھی۔ ان میں ایک خاندان، تعلقوں کا گذرا ہے۔ فیروز شاہ بھی اسی خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ نے ایک نیا شہر آباد کیا

تھا جو قریب قریب اسی جگہ پر تھا جہاں ہماری موجودہ دہلی ہے۔ البتہ ہماری دہلی سے کچھ بڑا تھا۔ پہلے آبادی کی ساری بہار قطب صاحب کی طرف تھی اس لئے اسی طرف کو شہر کے کنارے پر فیروز شاہ نے اپنا قلعہ بنوایا تھا۔

اس قلعے میں بھی دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایک مسجد اور دوسرے اشوکا کی لاٹھ۔

یہ مسجد بہت بڑی خوب صورت اور دو منزلہ بنی ہوئی ہے جس طرح فتح پوری مسجد کے سوا دہلی میں اور کوئی مسجد ایک گنبد کی نہیں ہے اسی طرح اس مسجد کے سوا اور کوئی خاص مسجد دو منزلہ نہیں ہے۔ اور جس طرح چاندنی چوک کی سنہری مسجد میں مسلمانوں کے آخری زمانے میں نادر شاہ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی، اسی طرح مسلمانوں کے شروع زمانے میں اسی مسجد میں تیمور لنگ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی۔ اس مسجد کے صحن میں ایک بڑی بھاری باؤلی بھی ہے۔

دوسری چیز اشوکا کی لاٹھ ہے اچھا پہلے ہم اشوکا کی لاٹھوں کا تھوڑا سا حال بتادیں اس کے بعد اس لاٹھ کا تذکرہ کریں گے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں پہلے زمانے میں صرف ہندو آباد تھے اس
 کے بعد ایک بزرگ مہاتما بودھ پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک نیا مذہب شروع کیا
 پھر تو قریب قریب سارا ہندوستان ان کا مرید ہو گیا اور ان ہی کے مذہب
 کو ماننے لگا۔ رعایا سے لے کر راجہ تک سب نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔ ان ہی
 راجاؤں میں ایک راجہ اشوک گذرے ہیں۔ یہ بڑے زبردست بادشاہ تھے
 انھوں نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا تھا اور بودھ مذہب کے پھیلانے میں بڑی
 کوشش کی تھی۔ ان ہی کی کوشش سے برما، سیام، چین، جاپان سب
 بودھ مذہب کے پیرو ہو گئے اور آج تک اسی مذہب کو مانتے ہیں۔
 اشوک نے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پتھر کے ستون
 بنوا کر لگوائے تھے۔ اور ان پر اپنے مذہب اور سلطنت کے خاص خاص
 حکم کھدوائے تھے کچھ زمانے کے بعد ہندوستان سے بودھ مذہب ختم
 ہو گیا اور ہندو مذہب کا پھر دور دورہ ہوا۔ اس کے بعد مسلمان یہاں
 آئے اور سینکڑوں برس تک حکومت کی۔ اب انگریزوں کا راج ہے۔
 زمانہ بدل گیا۔ لیکن اشوک کی لائیں اب تک موجود ہیں۔
 دہلی میں اس قسم کی دو لائیں ہیں۔ یہ دونوں فیروز شاہ نے باہر سے

لاکر یہاں گھڑی کرائی تھیں۔ ایک تو میرٹھ سے لاکر کو شک شکاریں رکھی دوسری دہلی
 کے ایک گاؤں خضرآباد سے لاکر اپنے قلعے میں رکھی اور اسکا نام ”منارۃ زریں“ رکھا۔
 اس لاٹ میں کہیں جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی پتھر کی گھڑی ہوئی ہے
 اس کا وزن ساڑھے سات سو من بتایا جاتا ہے اور کوئی چودہ گز اونچی ہے۔
 کچھ حصہ زمین کے اندر ہے اور زیادہ باہر ہے خضرآباد دہلی سے کوئی ایک سو
 بیس میل پر ہے۔ خیال تو کرو اتنی بھاری لاٹ بغیر ٹوٹے پھوٹے اتنی دور سے
 کیسے لائی گئی ہوگی لیکن بادشاہ کا حکم تو پورا ہوتا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس
 پر سینکڑوں من روٹی اور کپڑا لپیٹا گیا۔ پھر جڑ کے چاروں طرف کھدائی شروع
 ہوئی۔ لوہے کا ایک بہت بڑا اور مضبوط خاص قسم کا چھکڑا تیار کیا گیا جو
 اس کے پاس ہی لگا دیا گیا، پھر چھکڑے پر روٹی اور کپڑے بچھا کر موٹے موٹے
 رسوں کے سہارے لاٹ کو اس پر گرایا گیا۔ سینکڑوں بہیل اور ہزاروں اونٹنی
 جمع کئے گئے اور یہ سب مہینوں میں اس چھکڑے کو ڈھکیل ڈھکیل کر دہلی لائے۔
 خیر تو اب تم اس لاٹ کو دیکھ لو لیکن اس کی عبارت نہ تم سے
 پڑھی جائے گی نہ سمجھ میں آئے گی۔ اس کے بعد گھرواپس چلیں گے اور
 انشاء اللہ کل نئی دہلی کی سیر کریں گے۔

نئی دہلی

یوں تو دہلی کی چیمپ چیمپ زمین دیکھنے کے قابل ہے۔ ہر جگہ پڑاتے زمانے کی کچھ نہ کچھ یادگاریں ملتی ہیں لیکن جتنی اچھی چیزیں تھیں وہ سب ہم نے تھیں دھادیں۔ اب صرف نئی دہلی کی سیر ہاتی رہ گئی ہے آج چلو وہاں بھی ہو آئیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہو گا وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ ہو گا۔ یہ بات کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اب تک ہندوستان کے جتنے بادشاہ گزرے ہیں قریب قریب سب دہلی ہی میں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے دہلی میں بہت سی اچھی اچھی عمارتیں بنائی جاتی ہیں انگریزوں کے رہنے والے ہیں۔ تجارت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور پہلے پہل مدراس میں اترے۔ اس کے بعد انھوں نے تھوڑی تھوڑی زمین پر قبضہ کرنا شروع کیا اور کلکتہ کو اپنا پایا تخت

بنایا پھر رفتہ رفتہ سارے ملک کے مالک ہو گئے۔ ان کا بادشاہ تو لندن ہی میں رہتا تھا لیکن بادشاہ کا نائب یعنی وائسرائے کلکتہ میں رہتا تھا اور وہیں سے سارے ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔

جب جارج پنجم انگلستان کے بادشاہ ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں دہلی میں ان کی تاج پوشی کا دربار ہوا تو انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اب پھر پہلے کی طرح دہلی پایہ تخت ہوگا اور ان کا نائب اب یہیں رہا کرے گا اس طرح وہ دہلی جو عرصہ کے غدر اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد سے اُجر چکی تھی، اب پھر گلزار بن گئی۔

فارسی کی ایک مثل ہے کہ جو کوئی آتا ہے اپنی ایک نئی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ یہ مثل دہلی پر بالکل پوری اُترتی ہے۔ یہاں جو بادشاہ ہوا اس نے یا تو ایک نیا شہر بسایا۔ یا کوئی نئی عمارت بنوائی۔ اس طرح دہلی کے سات بڑے بڑے شہر مشہور ہیں۔ جب انگریزوں نے دہلی کو اپنی راج دھانی بنایا تو انھوں نے بھی یہاں ایک نیا شہر بسانا طے کیا۔ یہی نئی دہلی یا دہلی کا آٹھواں شہر ہے۔

نئی دہلی کی ساری عمارتیں یا تو سرکاری ہیں جن میں دفتر ولے

رہتے ہیں یا پھر بڑے بڑے رئیسوں، نوابوں، راجوں، مہاراجوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ عام لوگ یہاں نہیں رہتے۔ سب مکان یورپ کے نمونے کے بنے ہیں یعنی کوٹھی یا بنگلے کی شکل کے، اور سب کی شکل و صورت اور رنگ بھی ایک سا ہے۔ سڑکیں بہت چوڑی اور کھلی کھلی ہیں اور جگہ جگہ پارک اور باغ بنے ہوئے ہیں۔ صفائی کا بہت زیادہ خیال ہے کسی جگہ بھی گندگی نظر نہیں آتی اس طرح نئی دہلی کا شہر خوب صورت تو بہت ہے لیکن رونق اور چیل پہل بالکل نہیں ہے۔ کچھ سونا سونا سا معلوم ہوتا ہے اور گرمیوں میں تو جب دائسرتے اور ان کے سب دفتر شکمہ چلے جاتے ہیں تو اور بھی ہوکا عالم ہو جاتا ہے۔ اکثر بازار اور دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور ہر طرف سنان معلوم ہونے لگتا ہے۔

نئی دہلی کے بنانے میں کوئی ۱۵ کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ قریب قریب ۱۸ برس تک ۲۹ ہزار مزدوروں نے روزانہ کام کیا ہے اور عمارتوں میں ۶۰ کروڑ اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی اگر ان اینٹوں کو ایک کے سامنے ایک رکھ کر بچایا جائے تو دنیا کے گولے کے چار چکر بن جائیں۔

نئی دہلی کی تین عمارتیں خاص طور پر مشہور اور دیکھنے کے

قابل ہیں۔ (۱) دائسراے ہاؤس۔ (۲) سرکاری دفتر۔ (۳) پارلیمنٹ یہ تینوں عمارتیں بالکل قریب قریب ہیں۔ پارلیمنٹ کی عمارت کے تین حصے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا ہال اور کتب خانہ ہے۔ ایک حصے میں اسمبلی کے جلسے ہوتے ہیں۔ دوسرے میں کونسل آف اسٹیٹ کے اور تیسرے میں ریاستوں کے جمیبر کے۔

شاید تمہیں ان تینوں انجمنوں کا حال معلوم نہ ہو اس لئے آؤ پہلے یہی سمجھا دیں۔ ہندوستان کے سب سے بڑے افسروائسرائے ہیں۔ ان کو مشورہ دینے کے لئے چھ سات افسروں کی ایک کونسل ہے جسے ایگزیکٹو کونسل کہتے ہیں۔ اس میں ہر افسر کے ماتحت چند محکمے ہوتے ہیں کسی کے ماتحت تعلیم کا محکمہ ہے، کسی کے ماتحت فوج کا محکمہ۔ کسی کے ماتحت خزانے کا محکمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب محکمے ان باتوں پر عمل کرتے ہیں جو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر طے کر دیں یا دائسراے حکم دیں۔

اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے کچھ ممبر تو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے چنے جاتے ہیں اور کچھ ممبر وائسرائے اپنی طرف سے بھیجتے ہیں اسمبلی میں تو زیادہ تر چنے ہوئے ممبر ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ

میں زیادہ تر سرکاری آدمی ہوتے ہیں جو بس حکومت کی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے تمام قانون اور آمدنی و خرچ کا حساب پہلے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے پھر وہاں سے پاس ہو جانے کے بعد کونسل آف اسٹیٹ منظور دی جاتی ہے۔ جب دونوں جگہوں سے منظوری گجاتی ہے تو پھر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔

ریاستوں کا چیمبر ہندوستان کے نوابوں اور راجوں مہاراجوں کی انجمن ہے اس میں وہی لوگ جمع ہو کر ریاستوں کے معاملے پر بحث کیا کرتے ہیں۔

ان تین عمارتوں کے علاوہ پارلیمنٹ کے بیچوں بیچ میں جو بڑا سا ہال ہے اس میں اکثر دربار ہوا کرتا ہے۔

یہ ساری عمارت ۵ سال میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ بادشاہ جارج

پنجم کے چچا ڈیوک آف کناٹ نے سلسلہ میں اس کی بنیاد کا پہلا پتھر رکھا تھا اور لارڈ آرون وائسرائے نے سلسلہ میں اس کا افتتاح کیا تھا۔

یہ عمارت بالکل گول ہے اور اتنی بڑی ہے کہ اس کے چاروں طرف

لے شروع کرنا۔ کسی عمارت کو بن جانے کے بعد عام ہتھیال کیلئے کھولنا۔

گھومنے سے پورے ایک میل کا چکر ہو جاتا ہے۔ بیچ میں ایک بڑا بھاری گنبد ہے اور چاروں طرف کوئی ڈیڑھ سو کھجے ہیں اسی لئے عمارت دیکھنے میں بڑی خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

دوسری عمارت سکریٹریٹ ہے جس میں سرکاری دفتریں ہیں اس کے دو حصے آمنے سامنے بنے ہیں۔ بیچ میں سڑک جاتی ہے۔ اس پر کوئی پونے دو کروڑ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ دونوں حصوں کے کناروں پر بڑے اوپنچے اوپنچے دو مینار بنے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ یہ مینار اونچائی میں قطب مینار سے چند گز نیچے ہیں۔ اس عمارت میں کوئی ایک ہزار کمرے ہیں اور سب برآمدوں کی لمبائی ملا کر کوئی ۸ میل ہوتی ہے۔ یہاں ایک ایسی مشین لگی ہے جو گرمیوں کی لو کو ٹھنڈا کرتی رہتی ہے اور جاڑوں کی تیز ٹھنڈی ہوا کو گرم کرتی رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی حکومت کے دفاتروں کی عمارت اتنی اچھی نہیں ہے جتنی غریب ہندوستان کے دفاتروں کی یہ عمارت ہے۔

تیسری عمارت دائرے کے رہنے کا محل ہے۔ یہ محل دنیا کے خوب صورت سے خوب صورت محلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ

سرخ اور سفید پتھر اور طرح طرح کے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ اس میں ڈیڑھ میل لمبے برآمدے، ڈیڑھ سو کمرے، سوا دو سو کھمبے، ۳۷۰۰ چھتے اور بہت سے اچھے سے اچھے باغ ہیں۔ اس پر کوئی سوا کروڑ روپیہ خرچ ہوا ہے۔

۱۹۱۲ء میں یہ بن کر تیار ہوا تھا۔ سب سے پہلے لارڈ دارون آئسراے اس میں آکر رہے۔ اتفاق دیکھئے کہ جس دن وہ اس میں آئے اسی دن صبح کو ان کی ٹرین کے پیچھے بم پھینکا لیکن وہ بال بال بچ گئے ایسا ہی اتفاق ۱۹۱۲ء میں بھی ہوا تھا یعنی جب لارڈ ہارڈنگ و آئسراے پہلی مرتبہ دہلی کو پایہ تخت بنانے کے لئے یہاں داخل ہوئے تو چاندنی چوک میں ان پر بھی بم پھینکا گیا تھا۔

اچھا اب نئی دہلی کی عمارتیں تو دیکھ لیں۔ چلو یہاں ایک پرانی چیز بھی ہے اسے بھی دیکھتے چلیں۔ اسے جنرل منتر کہتے ہیں۔ سورج، چاند اور ستاروں کی باتیں اور ان کی چالیں معلوم کرنے کے لئے یہ جنرل منتر کی عمارت بنائی گئی تھی۔ جے پور ریاست کے ایک راجہ تھے، جے سنگھ ثانی امیر دہلی ان کو ان باتوں کا بہت شوق تھا۔ اب سے کوئی دو سو برس پہلے

ان ہی نے دہلی میں یہ جنتِ منتر بنوایا تھا۔ اس کی عمارتیں عجیب عجیب طرح کی بنی ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

نئی دہلی کی سیر ختم ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دہلی کی عمارتوں کی سیر بھی ختم ہوئی، امید ہے کہ تم نے اس کتاب کو ضرور پسند کیا ہوگا۔

